

كَبِيرٌۚ فَلَعْلَكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُؤْتَى إِلَيْكَ وَضَائِقٌۚ يُهِ
صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا نَوْلًا أُنْزَلَ عَلَيْهِ كَنزٌۚ أَوْ جَاءَ مَعَهُ
مَلَكٌ طَائِهًا أَنْتَ نَذِيرٌۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌۚ

تو اے پیغمبر، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان چیزوں میں سے کسی چیز کو (بیان کرنے سے) چھوڑ دو جو تمہاری طرف
وجی کی جا رہی ہیں اور اس بات پر دل تنگ ہو کر وہ کہیں گے ”اس شخص پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتا رکیا“، یا یہ کہ ”اس کے
ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا۔“ تم تو محض خبردار کرنے والے ہو، آگے ہر چیز کا حوالہ دار اللہ ہے۔

[۱۲] اس ارشاد کا مطلب سمجھنے کے لیے ان حالات کو پیش نظر رکھنا چاہیے جن میں یہ فرمایا گیا ہے۔ مکہ ایک ایسے قبلیے کا صدر
مقام ہے جو تمام عرب پر اپنے مذہبی اقتدار، اپنی دولت و تجارت اور اپنے سیاسی دباؤ کی وجہ سے چھایا ہوا ہے۔ میں اس حالت میں
جب کہ یہ لوگ اپنے انہیٰ عروج پر ہیں اس سبھی کا ایک آدمی اختباہے اور علی الاعلان کہتا ہے کہ جس مذہب کے تم پیشواد ہو وہ سراسر گمراہی
ہے، جس نظام تمدن کے تم سردار ہو وہ اپنی جڑتک گلا اور سڑا ہو نظام ہے، خدا کا عذاب تم پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تلاکھڑا ہے اور تمہارے
لیے اس سے سمجھنے کی کوئی صورت اس کے سوانحیں ہے کہ اس مذہب حق اور اس نظام صالح کو قبول کر لو جو میں خدا کی طرف سے تمہارے
سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اس شخص کے ساتھ اس کی پاکیت اور اس کی معقول باتوں کے سوا کوئی ایسی غیر معمولی چیز نہیں ہے جس سے
عام لوگ اسے مامور من اللہ سمجھیں۔ اور گرد و پیش کے حالات میں بھی مذہب و اخلاق اور تمدن کی گہری بنیادی خرایوں کے سوا کوئی ایسی
ظاہری علمت نہیں ہے جو نزول عذاب کی نشان دہی کرتی ہو۔ بلکہ اس کے برکت متمام نمایاں علماتیں یہی ظاہر کر رہی ہیں کہ ان لوگوں پر
خداؤ کا (اور ان کے عقیدے کے مطابق) دیوتاؤں کا برا فضل ہے اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں ٹھیک ہی کر رہے ہیں۔ ایسے حالات میں یہ
بات کہنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، اور اس کے سوا کچھ ہو بھی نہیں سکتا، کہ چند نہایت صحیح الدمامغ اور حقیقت رس لوگوں کے سوابھی کے سب لوگ
اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ کوئی ظلم و ستم سے اس کو دبانا چاہتا ہے۔ کوئی جھوٹ از امارات اور اوقتھے اعتراضات سے اس کی ہوا اکھاز نے
کی کوشش کرتا ہے۔ کوئی متعصبانہ بے رخی سے اس کی بہت سختی کرتا ہے اور کوئی مذاق اڑا کر، آوازے اور پھیلیاں کس کر، اور سمجھنے لگا کہ
اس کی باتوں کو ہوا میں اڑا دینا چاہتا ہے۔ یہ استقبال جو کئی سال تک اس شخص کی دعوت کا ہوتا رہتا ہے، جیسا کچھ دل شکن اور مایوس کن
ہو سکتا ہے، ظاہر ہے۔ بس یہی صورت حال ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی بہت بندھانے کے لیے تلقین فرماتا ہے کہ اچھے حالات
میں پھول جانا اور بے حالات میں مایوس ہو جانا چھوڑ رے لوگوں کا کام ہے۔ ہماری زنگاہ میں قیمتی انسان وہ ہے جو نیک ہو اور نیک کے
راستے پر صبر و ثبات اور پامردی کے ساتھ چلنے والا ہو۔ لہذا جس تعصب سے، جس بے رخی سے، جس تفحیک و استہزا سے اور جن جا بلانے
اعتراضات سے تمہارا مقابلہ کیا جا رہا ہے ان کی وجہ سے تمہارے پائے ثبات میں ذر الغرش نہ آنے پائے۔ جو صداقت تم پر بذریعہ و حی
مکشف کی گئی ہے اس کے اظہار و اعلان میں اور اس کی طرف دعوت دینے میں تمہیں قطعاً کوئی باک نہ ہو۔ تمہارے دل میں اس خیال کا
کبھی گزر تک نہ ہو کہ فلاں بات کیسے کہوں جب کہ لوگ سنتے ہی اس کا مذاق اڑانے لگتے ہیں، اور فلاں حقیقت کا اظہار کیسے کروں جب
کہ کوئی اس کے سنتے تک کار و ادار نہیں ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے، تم جسے حق پاتے ہو اسے بے کم و کاست اور بے خوف بیان کیے جاؤ،
آگے سب معاملات اللہ کے حوالے ہیں۔

أَمْ يَقُولُونَ أَفْتَرَاهُ طَقْلٌ فَاتُوا بِعَشْرِ سَوَّرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيْتٍ
وَادْعُوا مِنْ اسْتَطْعَمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ ۝
فَإِنَّمَا يَسْتَجِيبُونَا لِكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزَلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَنَّ لَهُ
إِلَهٌ إِلَّا هُوَ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ مَنْ كَانَ يُرِيدُ
الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَرِزْقَهَا نُوفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا

کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھٹلی ہے؟ کہو، ”اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنالا اور اللہ کے سوا اور جو جو (تمہارے معبدوں) ہیں ان کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم (انھیں معبد سمجھنے میں) سچے ہو۔ اب اگر وہ (تمہارے معبدوں) تمہاری مدد کرنیں پہنچتے تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوئی ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبد نہیں ہے۔ پھر کیا تم (اس امر حق کے آگے) سرتسلیم خم کرتے ہو؟“ [۱۴] جلوگ بس اس دنیا کی زندگی اور اس کی خوش نمائیوں کے طالب ہوتے ہیں [۱۵] ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے

[۱۲] یہاں ایک ہی دلیل سے قرآن کے کلام الہی ہونے کا ثبوت بھی دیا گیا ہے اور تو حید کا ثبوت بھی۔ استدال کا خلاصہ یہ ہے کہ:
(۱) اگر تمہارے نزدیک یہ انسانی کلام ہے تو انسان کو ایسے کلام پر قادر ہونا چاہیے، لہذا تمہارا یہ دعویٰ کہ میں نے اسے خود تصنیف کیا ہے صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ تم ایسی ایک کتاب تصنیف کر کے دکھاؤ۔ لیکن اگر میرے بار بار چیلنج دینے پر بھی تم سب مل کر اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتے تو میرا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ میں اس کتاب کا مصنف نہیں ہوں بلکہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوئی ہے۔

(۲) پھر جب کہ اس کتاب میں تمہارے معبدوں کی بھی کھلم کھلما مخالفت کی گئی ہے اور صاف صاف کہا گیا ہے کہ ان کی عبادت چھوڑ دو کیونکہ الوہیت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، تو ضرور ہے کہ تمہارے معبدوں کو بھی (اگر فی الواقع ان میں کوئی طاقت ہے) میرے دعے کو جھوٹا ثابت کرنے اور اس کتاب کی نظیر پیش کرنے میں تمہاری مدد کرنی چاہیے۔ لیکن اگر وہ اس فیصلے کی گھڑی میں بھی تمہاری مدد نہیں کرتے اور تمہارے اندر کوئی ایسی طاقت نہیں پھوٹکتے کہ تم اس کتاب کی نظیر تیار کر سکو، تو اس سے صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ تم نے خواہ مخواہ ان کو معبد بنارکھا ہے، ورنہ درحقیقت ان کے اندر کوئی قدرت اور کوئی شایبہ الوہیت نہیں ہے جس کی بنا پر وہ معبد ہونے کے مستحق ہوں۔

اس آیت سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہ سورۃ ترتیب نزول کے اعتبار سے سورۃ یونس سے پہلی کی ہے۔ یہاں دس سورتیں بنائ کر لانے کا چیلنج دیا گیا ہے اور جب وہ اس کا جواب نہ دے سکے تو پھر سورۃ یونس میں کہا گیا کہ اچھا ایک ہی سورۃ اس کے مانند تصنیف کر لاؤ۔ (یونس، آیت ۳۸)

[۱۵] اس سلسلہ کلام میں یہ بات اس مناسبت سے فرمائی گئی ہے کہ قرآن کی دعوت کو جس قسم کے لوگ اس زمانہ میں رد کر رہے تھے اور آج بھی رد کر رہے ہیں وہ زیادہ تر وہی تھے اور ہیں جن کے دل و دماغ پر دنیا پرستی چھائی ہوئی ہے۔ خدا کے پیغام کو رد کرنے کے لیے جو دلیل بازیاں وہ کرتے ہیں وہ سب تو بعد کی چیزیں ہیں۔ پہلی چیز جو اس انکار کا اصل سبب ہے وہ ان کے نفس کا یہ فیصلہ ہے کہ دنیا اور اس کے

لَا يُبْخَسُونَ ۝ اُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا الشَّارِدُ
وَحِيطَ مَا صَنَعُوا قِيمَهَا وَبُطْلُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ اَفَمَنْ
كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَاتٍ مِّنْ رَّبِّهِ وَيَتَلُوُهُ شَاهِدًا مِّنْ قَبْلِهِ

ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔^[۱۶] (وہاں معلوم ہو جائے گا کہ) جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ملیا میٹ ہو گیا اور اب ان کا سارا کیا دھرم حض باطل ہے۔ پھر بھلا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک صاف شہادت رکھتا تھا،^[۱۷] اس کے بعد ایک گواہ بھی پروردگار کی طرف سے (اس شہادت کی تائید میں) آگیا،^[۱۸]

مادی فائدوں سے بالاتر کوئی شے قابل قدر نہیں ہے، اور یہ کہ ان فائدوں سے مستثن ہونے کے لیے ان کو پوری آزادی حاصل رہتی چاہیے۔
[۱۶] یعنی جس کے پیش نظر حض دنیا اور اس کا فائدہ ہو، وہ اپنی دنیا بنانے کی جیسی کوشش یہاں کرے گا ویسا ہی اس کا پھل اسے یہاں مل جائے گا۔ لیکن جب کہ آخرت اس کے پیش نظر نہیں ہے اور اس کے لیے اس نے کوئی کوشش بھی نہیں کی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی دنیا طلب مسامی کی بار آوری کا سلسلہ آخرت تک دراز ہو۔ وہاں پھل پانے کا امکان تو صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ دنیا میں آدمی کی سمجھی ان کاموں کے لیے ہو جو آخرت میں بھی نافع ہوں۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص چاہتا ہے کہ ایک شاندار مکان اسے رہنے کے لیے ملے اور وہ اس کے لیے ان تدبیر کو عمل میں لاتا ہے جن سے یہاں مکان بنانا کرتے ہیں تو ضرور ایک عالی شان محل بن کر تیار ہو جائے گا اور اس کی کوئی اینٹ بھی محض اس بنانے پر جتنے سے انکار نہ کرے گی کہ ایک کافر سے جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن اس شخص کو اپنا یہ محل اور اس کا سارا سرو سامان موت کی آخری بیچگی کے ساتھ ہی اس دنیا میں چھوڑ دینا پڑے گا اور اس کی کوئی چیز بھی وہ اپنے ساتھ دوسرے عالم میں نہ لے جاسکے گا۔ اگر اس نے آخرت میں محل تعمیر کرنے کے لیے کچھ نہیں کیا ہے تو کوئی معقول وجہ نہیں کہ اس کا یہ محل وہاں اس کے ساتھ منتقل ہو۔ وہاں کوئی محل وہ پا سکتا ہے تو صرف اس صورت میں پا سکتا ہے جب کہ دنیا میں اس کی سمجھی ان کاموں میں ہو جن سے قانون الٰہی کے مطابق آخرت کا محل بن کر تا ہے۔

اب سوال یہ کیا جاسکتا ہے کہ اس دلیل کا تقاضا تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہاں اسے کوئی محل نہ مل۔ مگر یہ کیا بات ہے کہ محل کے بجائے وہاں اسے آگ ملے گی؟ اس کا جواب یہ ہے (اور یہ قرآن ہی کا جواب ہے جو مختلف موقع پر اس نے دیا ہے) کہ جو شخص آخرت کو نظر انداز کر کے محض دنیا کے لیے کام کرتا ہے وہ لازماً وظیر تاریے طریقوں سے کام کرتا ہے جن سے آخرت میں محل کے بجائے آگ کا الاوتیار ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورہ یوسف، حاشیہ ۱۲)

[۱۷] یعنی جس کو خود اپنے وجود میں اور زمین و آسمان کی ساخت میں اور کائنات کے نظم و نسق میں اس امر کی کھلی شہادت مل رہی تھی کہ اس دنیا کا خالق، مالک، پروردگار اور حاکم و فرمان روا صرف ایک خدا ہے، اور پھر انہی شہادتوں کو دیکھ کر جس کا دل یہ گواہی بھی پہلے ہی سے دے رہا تھا کہ اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ضرور ہونی چاہیے جس میں انسان اپنے خدا کو اپنے اعمال کا حساب دے اور اپنے کی جزا اور سزا پائے۔

[۱۸] یعنی قرآن، جس نے آکر اس فطری و عقلی شہادت کی تائید کی اور اسے بتایا کہ فی الواقع حقیقت وہی ہے جس کا نشان

كِتَبٌ مُّوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً طَأْوَلِيَكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرُ
بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ قَ
إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلِكُنَّ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ وَمَنْ
أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا طَأْوَلِيَكَ يُعَرَضُونَ عَلَى
رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا ذُنُونَ كَذَبُوا عَلَى رَبِّهِمْ

اور پہلے موسیٰ کی کتاب رہنماءور رحمت کے طور پر آئی ہوئی بھی موجود تھی (کیا وہ بھی دنیا پرستوں کی طرح اس سے انکار کر سکتا ہے؟) ایسے لوگ تو اس پر ایمان ہی لائیں گے^[۱۹] اور انسانی گروہوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے تو اس کے لیے جس جگہ کا وعدہ ہے وہ دوزخ ہے۔ پس اے پیغمبر تم اس چیز کی طرف سے کسی شک میں نہ پڑنا، یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے مگر اکثر لوگ نہیں مانتے۔ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے؟^[۲۰] ایسے لوگ اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے اور گواہ شہادت دیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ گھڑا تھا۔

آفاق و نفس کے آثار میں تو نے پایا ہے۔

[۱۹] سلسلہ کلام کے لحاظ سے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دنیوی زندگی کے ظاہری پہلو پر اور اس کی خوش نمائیوں پر فریغت میں ان کے لیے تو قرآن کی دعوت کو رد کر دینا آسان ہے۔ مگر وہ شخص جو اپنی ہستی میں اور کائنات کے نظام میں پہلے سے توحید و آخترت کی کھلی شہادت پر با تھا، پھر قرآن نے آ کر ٹھیک وہی بات کہی جس کی شہادت وہ پہلے سے اپنے اندر بھی پار با تھا اور باہر بھی، اور پھر اس کی مزید تائید قرآن سے پہلے آئی ہوئی کتاب آسمانی میں بھی اسے مل گئی، آخروہ کس طرح اتنی زبردست شہادتوں کی طرف سے آنکھیں بند کر کے ان منکرین کا ہم تو اہو سکتا ہے؟ اس ارشاد سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے زبول قرآن سے پہلے ایمان بالغیب کی منزل سے گزر چکے تھے۔ جس طرح سورہ انعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ نبی ہونے سے قبل آثار کائنات کے مشاہدے سے وہ توحید کی معرفت حاصل کر چکے تھے، اسی طرح یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ نبی ﷺ نے بھی غور و فکر سے اس حقیقت کو پالیا تھا اور اس کے بعد قرآن نے آ کر اس کی نہ صرف تقدیم و توثیق کی بلکہ آپ کو حقیقت کا براہ راست علم بھی عطا کر دیا گیا۔

[۲۰] یعنی یہ کہے کہ اللہ کے ساتھ خدا اور اتحقاق بندگی میں دوسرے بھی شریک ہیں۔ یا یہ کہے کہ خدا کو اپنے بندوں کی ہدایت و ضلالت سے کوئی دچکپی نہیں ہے اور اس نے کوئی کتاب اور کوئی نبی ہماری ہدایت کے لیے نہیں بھیجا ہے، بلکہ ہمیں آزاد چھوڑ دیا ہے کہ جو ڈھنگ چاہیں اپنی زندگی کے لیے اختیار کر لیں۔ یا یہ کہے کہ خدا نے ہمیں یونہی کھیل کے طور پر پیدا کیا اور یونہی ہم کو ختم کر دے گا، کوئی جواب دہی ہمیں اس کے سامنے نہیں کرنی ہے اور کوئی جزا اور انہیں ہونی ہے۔

۱۵) أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ
 سَيِّئِ اللَّهُ وَيَبْعُونَهَا عَوْجَاطَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كُفَّارُونَ
 ۱۶) أُولَئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ
 مِّنْ دُوْنِ اللَّهِ مِنْ أُولَيَاءٍ مُّرْسِعُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوا
 يَسْتَطِعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ
 ۱۷) أُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ
 ۱۸) لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ
 ۱۹) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

سنو! خدا کی لعنت ہے ظالموں پر^[۲۱] — اُن ظالموں پر^[۲۲] جو خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں، اس کے راستے کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں^[۲۳] اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ وہ زمین میں^[۲۴] اللہ کو بے بس کرنے والے نہ تھے اور نہ اللہ کے مقابلہ میں کوئی ان کا حامی تھا۔ انھیں اب دو ہر اعداًب دیا جائے گا^[۲۵]۔ وہ نہ کسی کی سن ہی سکتے تھے اور نہ خود ہی انھیں کچھ سوچتا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خود گھائے میں ڈالا اور وہ سب کچھ ان سے کھوایا گیا جوانہوں نے گھر رکھا تھا۔^[۲۶] ناگزیر ہے کہ وہی آخرت میں سب سے بڑھ کر گھائے میں رہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور اپنے

[۲۱] انداز بیان سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بات آخرت میں ان کی پیشی کے موقع پر کہی جائے گی۔

[۲۲] یہ جملہ معترض ہے کہ جن ظالموں پر وہاں خدا کی لعنت کا اعلان ہو گا وہ وہی لوگ ہوں گے جو آج دنیا میں یہ حرکات کر رہے ہیں۔

[۲۳] یعنی وہ اس سیدھی را کو جوان کے سامنے پیش کی جا رہی ہے پسند نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ یہ راہ کچھ ان کی خواہشات نفس اور ان کے جا بلانہ تھقیبات اور ان کے اوہام و تھیلات کے مطابق ٹیڑھی ہو جائے تو وہ اسے قبول کریں۔

[۲۴] یہ پھر عالم آخرت کا بیان ہے۔

[۲۵] ایک عذاب خود گراہ ہونے کا۔ دوسرا عذاب دوسروں کو گراہ کرنے اور بعد کی نسلوں کے لیے گمراہی کی میراث چھوڑ جانے کا۔ (ملحوظہ، ہوسوہ، اعراف، حاشیہ ۳۰)

[۲۶] یعنی وہ سب نظریات پادر ہوا ہو گئے جوانہوں نے خدا اور کائنات اور اپنی ہستی کے متعلق گھر رکھے تھے، اور وہ سب بھروسے بھی جھوٹے ثابت ہوئے جوانہوں نے اپنے معبودوں اور سفارشیوں اور سرپرستوں پر کر رکھے تھے، اور وہ قیاسات بھی غلط لگئے جوانہوں نے زندگی بعد موت کے بارے میں قائم کیے تھے۔

الصِّلَحُتِ وَأَخْبَتُوا إِلَى رَبِّهِمْ لَاۤ أُولَئِكَ أَصْحَبُ الْجَنَّةَ هُمْ
فِيهَا خَلِدُونَ ۝ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَى وَالْأَصْمَى وَالْبَصِيرِ
وَالسَّمِيعُ طَهُلٌ يَسْتَوِينَ مَثَلًا طَاهَلًا فَلَا تَذَرْكُرُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا
نُوحًا إِلَى قَوْمَهُ زَارِقًا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّصَيْنٌ ۝ لَاۤ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا
إِلَّا اللَّهُ إِلَّيْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابٌ يَوْمَ الْيُمْ ۝ فَقَالَ الْمَلَأُ
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَزَّلَكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا

رب ہی کے ہو کر رہے، تو یقیناً وہ جنتی لوگ ہیں اور جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ [۲۷] ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی تو ہو اندھا بہرا اور دوسرا ہو دیکھنے اور سننے والا، کیا یہ دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ [۲۸] کیا تم (اس مثال سے) کوئی سبق نہیں لیتے؟

(اور ایسے ہی حالات تھے جب) ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ [۲۹] (اس نے کہا) ”میں تم لوگوں کو صاف صاف خبردار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر ایک روز دردناک عذاب آئے گا۔“ [۳۰] جواب میں اس کی قوم کے سردار، جنہوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کیا تھا، بولے ”ہماری نظر میں تو تم اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ بس ایک انسان ہو، ہم جیسے۔“ [۳۱]

[۲۷] یہاں عالم آخرت کا بیان ختم ہوا۔

[۲۸] یعنی کیا ان دونوں کا طرز عمل اور آخر کار دونوں کا انجام یکساں ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ جو شخص نہ خود راستہ دیکھتا ہے اور نہ کسی ایسے شخص کی بات ہی سنتا ہے جو اسے راستہ بتا رہا ہو وہ ضرور کہیں ٹوکر کھائے گا اور کہیں کسی سخت حادثہ سے دوچار ہو گا۔ بخلاف اس کے جو شخص خود بھی راستہ دیکھ رہا ہو اور کسی واقف راہ کی ہدایات سے بھی فائدہ اٹھاتا ہو وہ ضرور اپنی منزل پر بہ سلامت پہنچ جائے گا۔ بس یہی فرق ان لوگوں کے درمیان بھی ہے جن میں سے ایک اپنی آنکھوں سے بھی کائنات میں حقیقت کی نشانیوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور خدا کے بصیرے رہنماؤں کی بات بھی سنتا ہے، اور دوسرا نہ خود ہی کی آنکھیں کھلی رکھتا ہے کہ خدا کی نشانیاں اسے نظر آئیں اور وہ غیرہ غیرہوں کی باتیں کر دیتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ زندگی میں ان دونوں کا طرز عمل یکساں ہو؟ اور پھر کی وجہ ہے کہ آخر کار ان کے انجام میں فرق نہ ہو؟

[۲۹] مناسب ہے کہ اس موقع پر سورہ اعراف، روایت ۸ کے حواشی پیش نظر کھے جائیں۔

[۳۰] یہ ہی بات ہے جو اس سورہ کے آغاز میں محمد ﷺ کی زبان سے ادا ہوئی ہے۔

[۳۱] وہی جا بانہ اعتراض جو مکہ کے لوگ محمد ﷺ کے مقابلہ میں پیش کرتے تھے کہ جو شخص ہماری ہی طرح کا ایک معمولی انسان ہے، کھاتا پیتا ہے، پس اترتا ہے، سوتا اور جا گتا ہے، بال پچ رکھتا ہے، آخر ہم کیسے مان لیں کہ وہ خدا کی طرف سے بغیر مقرز ہو کر آیا ہے۔

نَرِبَكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُ لِنَا بَادِئَ الرَّأْيِ وَمَا
نَرِى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظَنْكُمْ كُلَّ ذِيْنِنَ ۚ قَالَ يَقُوْمُ
أَرَءَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَاتٍ مِنْ سَرِّيٍّ وَأَثْنَيْ رَحْمَةٍ مِنْ
عِنْدِكَ فَعِيْدَتْ عَلَيْكُمْ أَنْلِذِ مَكْوْهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كُلُّهُونَ ۗ
وَيَقُوْمُ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًاٌ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا آنَا

اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم میں سے بس ان لوگوں نے جو ہمارے ہاں اراذل تھے بے سوچ سمجھے تمہاری پیروی اختیار کر لی ہے۔ [۳۲] اور ہم کوئی چیز بھی ایسی نہیں پاتے جس میں تم لوگ ہم سے کچھ بڑھے ہوئے ہو، [۳۳] بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ ”اس نے کہا“ اے برادران قوم، ذرا سوچو تو سہی کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پر قائم تھا اور پھر اس نے مجھ کو اپنی خاص رحمت سے بھی نواز دیا۔ [۳۴] مگر وہ تم کو نظر نہ آئی تو آخر ہمارے پاس کیا ذریعہ ہے کہ تم ماننا نہ چاہو اور ہم زبردستی اس کو تمہارے سرچیک دیں؟ اور اے برادران قوم، میں اس کام پر تم سے کوئی مال نہیں مان گنا، [۳۵] میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے۔ اور میں ان لوگوں کو

[۳۲] یہ بھی وہی بات ہے جو مکہ کے بڑے لوگ اور اونچے طبقے والے محمد ﷺ کے متعلق کہتے تھے کہ ان کے ساتھ ہے کون؟ یا تو چند سر پھرے لڑکے ہیں جنہیں دنیا کا کچھ تجربہ نہیں، یا کچھ غلام اور ادنیٰ طبقہ کے عوام ہیں جو عقل سے کورے اور ضعیف الاعتقاد ہوتے ہیں۔ (ملاحظہ، سورہ انعام، حواشی ۳۲ تا ۳۴ و سورہ یونس، حاشیہ ۲۸)

[۳۳] یعنی یہ جو تم کہتے ہو کہ ہم پر خدا کا فضل ہے اور اس کی رحمت ہے اور وہ لوگ خدا کے غضب میں بدلنا ہیں جنہوں نے ہمارا راستہ اختیار نہیں کیا ہے، تو اس کی کوئی علامت ہمیں نظر نہیں آتی۔ فضل اگر ہے تو ہم پر ہے کہ مال و دولت اور خدم و حشم رکھتے ہیں اور ایک دنیا ہماری صرداری مان رہی ہے۔ تمٹ پوچھیجے لوگ آخر کس چیز میں ہم سے بڑھے ہوئے ہو کہ تمہیں خدا کا چیبا سمجھا جائے۔

[۳۴] یہ وہی بات ہے جو ابھی پچھلے رکوع میں محمد ﷺ سے کہلوائی جا چکی ہے کہ پہلے میں خود آفاق و نفس میں خدا کی نشانیاں دیکھ کر تو حیدری حقیقت تک پہنچ چکا تھا، پھر خدا نے اپنی رحمت (وہی) سے مجھے نواز اور ان حقیقتوں کا براہ راست علم مجھے بخش دیا جن پر میرا دل پہلے سے گواہی دے رہا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام پیغمبر نبوت سے قبل اپنے غور و فکر سے ایمان بالغ حاصل کر چکے ہوتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ ان کو منصب نبوت عطا کرتے وقت ایمان بالشهادۃ عطا کرتا تھا۔

[۳۵] یعنی میں ایک بے غرض ناسخ ہوں۔ اپنے کسی فائدے کے لیے نہیں بلکہ تمہارے ہی بھلے کے لیے یہ ساری مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کر رہا ہوں۔ تم کسی ایسے ذاتی مفاوکی نشان وہی نہیں کر سکتے جو اس امر حق کی دعوت دینے میں اور اس کے لیے جان توڑ مختین کرنے اور مصیبیں جھینیں میں میرے پیش نظر ہوں۔ (ملاحظہ، المونون حاشیہ، ۷۰۔ یہ، حاشیہ ۱۔ الشوری، حاشیہ ۲۱)

بِطَارِدِ الَّذِينَ أَمْتُوا طَائِهِمْ مُلْقُوا رَبِّهِمْ وَلِكُنَّ أَرْكُمْ قَوْمًا
تَجْهَلُونَ ۝ وَيَقُولُ مَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ طَرَدْتَهُمْ أَفَلَا
تَذَكَّرُونَ ۝ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ
الغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزَدَّرُونِي أَعْيُنُكُمْ
نَّنْ يُؤْتِيْهِمُ اللَّهُ خَيْرًا طَأَلَهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنفُسِهِمْ صَلِّ إِنِّي لَذَا
لَمَّا الظَّالِمِينَ ۝ قَالُوا يَنْوُحُ قَدْ جَدَ لَنَا فَأَكْثَرُتَ جَدَانَا

دھکر دینے سے بھی رہا جنہوں نے میری بات مانی ہے، وہ آپ ہی اپنے رب کے حضور جانے والے ہیں۔ [۳۶] مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت بر تر ہے ہو۔ اور اے قوم، اگر میں ان لوگوں کو دھنکاروں تو خدا کی پکڑ سے کون مجھے بچانے آئے گا؟ تم لوگوں کی سمجھ میں کیا اتنی بات بھی نہیں آتی؟ اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں، نہ یہ میرا دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔ [۳۷] اور یہ بھی میں نہیں کہہ سکتا کہ جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں انھیں اللہ نے کوئی بھلانی نہیں دی۔ ان کے نفس کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر میں ایسا کہوں تو ظالم ہوں گا۔“

آخر کار ان لوگوں نے کہا کہ ”اے نوح، تم نے ہم سے جھٹکا کیا اور بہت کر لیا۔

[۳۶] یعنی ان کی قدر و قیمت جو کچھ بھی ہے وہ ان کے رب کو معلوم ہے اور اسی کے حضور جا کروہ کھلے گی۔ اگر یہ قیمتی جواہر ہیں تو میرے اور تمہارے چیزیں دینے سے پھرناہ ہو جائیں گے، اور اگر یہ بے قیمت پھر ہیں تو ان کے مالک کو اختیار ہے کہ انہیں جہاں چاہے پھینکے۔

[۳۷] یہ اس بات کا جواب ہے جو مخالفین نے کہی تھی کہ ہمیں تو تم بس اپنے ہی جیسے ایک انسان نظر آتے ہو۔ اس پر حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ واقعی میں ایک انسان ہی ہوں، میں نے انسان کے سوا کچھ اور ہونے کا دعویٰ کب کیا تھا کہ تم مجھے پر یا اعتراض کرتے ہو۔ میرا دعویٰ جو کچھ ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ خدا نے مجھے علم و عمل کا سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ اس کی آزمائش تم جس طرح چاہو کرلو۔ مگر اس دعوے کی آزمائش کا آخر یہ کون سا طریقہ ہے کہ کبھی تم مجھ سے غیب کی خبریں پوچھتے ہو، اور کبھی ایسے ایسے عجیب مطالبے کرتے ہو کہ گویا خدا کے خزانوں کی ساری کنجیاں میرے پاس ہیں، اور کبھی اس بات پر اعتراض کرتے ہو کہ میں انسانوں کی طرح کھاتا چیتا اور چلتا پھرتا ہوں، گویا میں نے فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ جس آدمی نے عقائد، اخلاق اور تمن میں صحیح رہبری کا دعویٰ کیا ہے اس سے ان چیزوں کے متعلق جو چاہو پوچھو، مگر تم عجیب لوگ ہو جو اس سے پوچھتے ہو کہ فلاں شخص کی بھیں کثرا بنے گی یا پڑیا۔ گویا انسانی زندگی کے لیے صحیح اصول اخلاق و تمن بتانے کا کوئی تعلق بھیں کے حمل سے بھی ہے! (لاحظہ، ہوسوہ انعام، حاشیہ ۳۲، ۳۱)

فَأَتَنَا إِيمَانَ تَعْدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ إِنَّهَا
يَا تَتَكَبَّرُ بِهِ اللَّهُ أَنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ وَلَا يَنْفَعُكُمْ
نُصْحِيْ إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ
يُعَوِّيْكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ
۝ قُلْ إِنْ أَفْتَرَيْتُهُ فَعَلَى إِجْرَاهِيْ وَإِنَّا بِرَبِّيْ مَهَاتِجُرْمُونَ ۝

اب تو بس وہ عذاب لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر سچ ہو، ”نوخ نے جواب دیا“ وہ تو اللہ ہی لائے گا، اگر چاہے گا، اور تم اتنا بدل بوتا نہیں سکتے کہ اسے روک دو۔ اب اگر میں تمہاری کچھ خیر خواہی کرنا بھی چاہوں تو میری خیر خواہی تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی جب کہ اللہ ہی نے تمہیں بھنکا دینے کا ارادہ کر لیا ہو، [۳۸] وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تمہیں پلانا ہے۔ ”اے نبی، کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ سب کچھ خود گھڑ لیا ہے؟ ان سے کہو“ اگر میں نے یہ خود گھڑا ہے تو مجھ پر اپنے جرم کی ذمہ داری ہے، اور جو حرم تم کر رہے ہو اس کی ذمہ داری سے میں بری ہوں۔ ”ع“ [۳۹]

[۳۸] یعنی اگر اللہ نے تمہاری ہٹ دھرمی، شرپندی اور خیر سے بے رغبتی دیکھ کر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں راست روی کی توفیق نہ دے اور جن را ہوں میں تم خود بھکنا چاہتے ہو انہی میں تم کو بھنکا دے تو اب تمہاری بھلائی کے لیے میری کوئی کوشش کا رگر نہیں ہو سکتی۔

[۳۹] انداز کلام سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی زبان سے حضرت نوخ کا یہ قصہ سننے ہوئے مخالفین نے اعتراض کیا ہوا کہ محمد یہ قصہ بنانا کراس لیے پیش کرتا ہے کہ انہیں ہم پر چپاں کرے۔ جو چوٹیں وہ ہم پر براہ راست نہیں کرنا چاہتا ان کے لیے ایک قصہ گھر تا ہے اور اس طرح ”در حدیث دیگر اس“ کے انداز میں ہم پر چوٹ کرتا ہے۔ لہذا سلسلہ کلام توڑ کران کے اعتراض کا جواب اس فقرے میں دیا گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ گھنیا قسم کے لوگوں کا ذہن ہمیشہ بات کے بڑے پہلو کی طرف جایا کرتا ہے اور اچھائی سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی کہ بات کے اچھے پہلو پر ان کی نظر جائے۔ ایک شخص نے اگر کوئی حکمت کی بات کہی ہے یا وہ تمہیں کوئی منید سبق دے رہا ہے یا تمہاری کسی غلطی پر تم کو متذہب کر رہا ہے تو اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنی اصلاح کرو۔ مگر گھنیا آدمی ہمیشہ اس میں برائی کا کوئی ایسا پہلو تلاش کرے گا جس سے حکمت اور نصیحت پر پانی پھیر دے گا اور نہ صرف خود اپنی برائی پر قائم رہے بلکہ قائل کے ذمے بھی اپنی کچھ برائی لگادے۔ بہتر سے بہتر نصیحت بھی ضائع کی جاسکتی ہے اگر سننے والا سے خیر خواہی کے بجائے ”چوٹ“ کے معنی میں لے اور اس کا ذہن اپنی غلطی کے احساس و ادراک کے بجائے برآمنے کی طرف چل پڑے۔ پھر اس قسم کے لوگ ہمیشہ اپنی فکر کی بنا ایک بندگانی پر رکھتے ہیں۔ جس بات کے حقیقت واقعی ہونے اور ایک بناوٹی داستان ہونے کا یکساں امکان ہو، مگر وہ ٹھیک ٹھیک تمہارے حال پر چپاں ہو رہی ہو اور اس میں تمہاری کسی غلطی کی نشان دہی ہوتی ہو، تو تم ایک داشمند آدمی ہو گے، اگر اسے ایک واقعی حقیقت سمجھ کر اس کے سبق آموز پہلو سے فائدہ اٹھاؤ گے، اور محض ایک بندگان و کچھ نظر آدمی ہو گے اگر کسی ثبوت کے بغیر یہ اڑام لگادو گے کہ قائل نے محض ہم پر چپاں کرنے کے لیے یہ قصہ تصنیف کر لیا ہے۔ اسی بنا پر یہ فرمایا کہ اگر یہ داستان میں نے گھڑی ہے تو اپنے جرم کا میں ذمہ دار ہوں، لیکن جس جرم کا تم ارتکاب کر رہے ہو وہ تو اپنی جگہ قائم ہے اور اس کی ذمہ داری میں تم ہی پکڑے جاؤ گے نہ کہ میں۔